سرائیکی انشائیہ میں طنز ومزاح

Humour and Satire in Saraiki light Essay

ڈاکٹر محمد ممتاز خان☆

Dr. Muhammad Mumtaz Khan

ڈاکٹر محمد رفیق الاسلام☆☆

Dr. Muhammad Rafique-ul-Islam

Abstract:

"The tradition of poetic categories is very old in Siraiki language. Whereas the category of prose in subjective part is a category in which a proper book was published in 1984. Before this publication many other categories in literature had been published in the different Siraiki books as well in magazines and articles. About two dozen of Siraiki writers have been doing their efforts in writing Siraiki prose. Their satirical style has pointed out the social issues very stylistically and artfully. Their pieces of writings show the use of proverbs, idiomatic structures in spoken language as well. The wise thoughtfulness of the Siraiki writers is quite unique and stylish which is the essence in Siraiki prose. This article presents the certain manifest ornamentation of the Siraiki prose writers."

Key words:

Saraiki, Prose, Satire, Humaour, Write

کلیدی الفاظ:

سرائیکی، انشائیہ، طنز ومزاح، زبان، مزاح

سنجیدہ رہنا ایک فطری عمل ہے اور کھکھلانا ایک اکتسابی فعل۔ نظامِ فطرت میں نقب لگا کر اس کے اندر کی متاع کو اس طرح چھیڑنا کہ لمحہ تضاد معرض وجود میں آجائے۔ در حقیقت انسانی جبلت ہے کہ

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ سرائیکی، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاول پور

☆☆ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاول پور

وہ اپنی فتوحات پر فخر و انبساط کا اظہار کرتا ہے۔ بسا اوقات اپنی فتوحات کو یقینی بنانے اور اصلیت میں ذرا سا ہیر پھیر کر کے نقلیت کے ملمع سے بات میں رنگینی بیان، لطافت خیال اور جذبہ مزاح کا عنصر اُجاگر کرتا ہے۔ فطرت یا اصلیت میں تغیّر و تبدل ہر بندے کے بس کا روگ نہیں اس کے لئے خود اعتمادی، علمِ کامل اور نکتہ شناسی کا ملکہ ہونا لازم ہے۔ اس ضمن میں اقرار حسین شیخ اپنی کتاب "مزہ نگاریاں" میں کچھ یوں اظہار خیال کرتے ہیں:

> "مزاح لکھنا آسان ہے یا مشکل یہ ایک الگ بحث ہے۔ میں تو صرف اتنا جانتا ہوں کہ اسے پڑھنے میں بڑا مزا آتا ہے۔ دراصل ہنسی ایک ذہنی کیفیت ہے۔ ایک طرح کی بشاشت یا زیادہ صحت کے ساتھ یوں کہیے کہ یہ ایک نفسی انبساط، اگر دل و دماغ پر ایک انبساط کی کیفیت چھا جائے، کبھی کبھی لبوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ پھیل جائے اور ایک دفعہ قارئین پھول کی طرح کھل کر ہنس پڑیں تو مزاح لکھنے والے کا مقصد پورا ہو جائے۔"(۱)

دنیا میں لسان کی بڑی کثیر تعداد ہے۔ ہر معتبر زبان اپنے دامن میں خواہ وہ نظم کا ہو یا نثر کا ایک بے پناہ قیمتی سرمایہ اور ترکہ رکھتی ہے۔ انگریزی میں ظرافت کے لیے "Wit" اور مزاح کیلئے "Humour" کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔(۲) اردو میں مزاح کا لفظ کم و بیش ہر ایسی کیفیت کے لیے مستعمل ہے جس سے فاعل کو انبساط کا احساس ہو۔ سرائیکی زبان میں مزاح کا متبادل کھِل ہس، بٹ چَج اور دل پشوری کو تسلیم کیا گیا ہے۔ طنز کے لیے ٹھٹھ اور ٹونٹ جیسے الفاظ بھی برتے جاتے ہیں۔ دنیا کے ہر ترقی یافتہ ادب میں مزاح کی باقاعدہ افراط پائی جاتی ہے تاہم طنز و مزاح علیحدہ علیحدہ معنویت ہونے کے باوجود ساتھ ساتھ استعمال ہوتے ہیں۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ نسلاً ان کا تعلق ایک ہی قبیل سے ہے۔ وحید الرحمن خان کے بقول:

> "برگساں کی رائے میں ہنسی نہ صرف سوسائٹی کے ہر اس عمل کو شبہ کی نظر سے دیکھتی ہے جو میکانکی صورت اختیار کرنے اور جمود کو مسلط ہو جانے میں مدد بہم پہنچاتا ہے۔ بلکہ اس کا کام فراریت کے ان تمام رجحانات کا قلع قمع کرنا بھی ہے جن کے زیر اثر فرد سوسائٹی کی سیدھی لکیر سے بھٹکتا نظر آتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں ہنسی فرد کوں دوبارہ کُل میں مدغم ہو جانے کی ترغیب دیتی ہے"(۳)

اس رائے کی وضاحت اور بڑھاوے کی صورت پیش کرنے میں وحیدالرحمن خان نے اپنی کتاب ''مزہ نگاریاں'' میں گریک کے حوالے سے بہت خوبصورت بات درج کی ہے کہ:

''چونکہ عام زندگی میں ہم ان رجحانات کی کھلے بندوں تسکین نہیں کرسکتے لہٰذا یہ مزاح کے ذریعے اس انداز سے تسکین حاصل کرتے ہیں کہ سوسائٹی کی اقدار کو کوئی صدمہ نہیں پہنچتا۔''(۴)

مزاح کے پس منظر سے پیش منظر پر آنے کی وجہ سے ہنسی کا جو چشمہ بنتا رہتا ہے وہ کبھی کبھار ایسے فوارے کی طرح پھوٹ پڑتا ہے جسے روکنا انسان کے بس میں نہیں ہوتا تبھی '' قہقہہ'' تخلیق پاتا ہے۔ ہم کبھی کبھار اپنا مُنہ بگاڑ کر اسے دوسروں کو چڑانے کی کوشش کرتے ہیں لیکن اس حرکت کا بے ڈھنگا پن متضاد کیفیت کا مظہر ہو کر مطلوب کو ہنسنے یا قہقہہ لگانے کی وجہ بن جاتا ہے۔ ہم کبھی کسی کی چال ڈھال آواز یا عادت کی نقل کر کے بھی ظریفانہ ماحول پیدا کر لیتے ہیں۔ ایسی حرکت ہمارے لیے گفتگو یا تحریر رگ میں پھلجھڑی کی صورت ظہور پذیر ہوتی ہے۔ جسے ایک آدھ جملے شعر یا پیرے میں سمیٹنا آسان نہیں۔ لہٰذا ایسی صورت حال کا سماجی مطالعہ کرنا از بس ضروری ہے تا کہ نثر نگاروں کے فن پاروں کا جائزہ لیا جاسکے۔ اس حوالے سے سرائیکی نثری ادب کے انشائی ادب میں جھانکیں تو پتہ چلتا ہے کہ دوسری ادبی اصناف کی طرح سرائیکی انشائیہ کا آغاز بھی رسائل و جرائد میں چھپنے والی تحریروں سے ہوا۔ سید نذیر علی شاہ، ڈاکٹر طاہر تونسوی، شیما سیال، اللہ بچایا عنبر، انجم لشاری، جاوید احسن اور حبیب فائق وغیرہ جیسے لکھاریوں کی تحریریں سرائیکی انشائی ادب کے اولین نقوش ٹھہریں۔ اس صنف کے حوالے سے پہلی باقاعدہ کتاب محمد اسلم میتلا کی ''سرائیکی انشائیے'' کے عنوان سے ۱۹۸۶ء میں چھپ کر سامنے آئی۔ سرائیکی میں انشائیہ نگاروں کی تعداد دو درجن سے تجاوز کر چکی ہے۔ لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ چند ایک انشائیہ نگاروں نے اپنی تحریری کاوشوں میں طنز و مزاح کے ساتھ انتہائی عالمانہ اور شریفانہ روّیہ روا رکھا ہے اور انھوں نے اپنی تحریروں میں مزاح پیدا نہیں کیا بلکہ مزاح دریافت کیا ہے۔ اِنھوں نے طنز کو لطافت کی دیوار پھلانگنے کی اجازت نہیں دی اور نہ ہی آوردہ اور بے جنمے قہقہوں کو شرافت کا آنچل کھینچنے کی جرات بخشی ہے۔

سرائیکی زبان کے ان انشائیہ نگاروں نے مزاح کے لیے نکتہ آفرینی اور لفظ کے الٹ پھیر کو کھُل کھیلنے کا موقع فراہم کیا ہے۔ ان لکھاریوں میں محمد اسلم میتلا، ڈاکٹر سلیم ملک، عبدالباسط بھٹی، ڈاکٹر خالد اقبال،

ڈاکٹر گل عباس اعوان، راہی گبول، رانا سردار احمد سعید، منظور احمد، ملک اقبال حسن بھپلا، ابن الامام شفتہ، حفیظ طاہر گھوٹیہ اور مریم خان جیسے لکھاری شامل ہیں۔ ذیل میں چند اہم انشائیہ نگاروں کا سرسری مطالعہ درج کیا جاتا ہے تاکہ سرائیکی ادب میں طنز و مزاح کا مقام متعین کرنے میں مدد مل سکے۔

محمد اسلم مبتلا سرائیکی زبان کے بانی انشائیہ نگار ہیں جن کی انشائیہ نگاری انگریزی اور اردو انشائیہ کی فی الواقع تصویر ہے۔ ان کے قائم کردہ نقوش پر دیگر تمام انشائیہ نگاروں نے اپنے اپنے ذوق، علم، مزاج اور مذاق کے مطابق رنگ بھرا اور ایک خوبصورت صنف ادب کو سرائیکی زبان و ادب کا سنگھار بنانے کی قرار واقعی کوشش کی۔

اسلم مبتلا کے انشائی موضوعات ہر انسان کے قرب و جوار کے موضوعات ہیں جیسے قلم، کتاب، خط، موسم، ہوا، رشوت، چور وغیرہ۔ زبان و بیاں کی تمام خوبیاں ان کے قلم سے ٹپکتی دکھائی دیتی ہیں۔ ان کی تحریر میں خوبصورتی اور مزاہ کا شاندار امتزاج پایا جاتا ہے۔ وہ اپنے ایک انشائیہ "ہوا" میں انتہائی سادہ لفظوں میں بڑی اہم اور پتے کی بات کچھ اس انداز میں درج کرتے ہیں: "انسان ایویں آپنْی ہوا بنْائی ودے جو میں وڈی شئے ہاں حالانکہ ہوا دے بغیر اوندی کوئی حیثیت نی، ہوا دے تیور بدل ونجنْ تاں خلق خدا کوں فائدہ پہچاونْ دی بجائے نقصان ڈیندی اے۔"(۵) اسلم مبتلا نے اپنے انشائیہ "فیشن" میں ایک تاریخی جملہ کہا ہے کہ:

"ہک شخص دوڑ لائی ویندا ہائی تے اوندے ہک واقف کار نے دوڑ دی وجہ پچھی تاں آکھنْ لگا جو درزی توں کپڑے سواتے گھر گھدی ویندں۔ ڈر اے ہے جو گھر پجنْ کنوں پہلے فیشن بدل نہ ونجے۔"(۶)

ڈاکٹر محمد سلیم ملک کا شمار سرائیکی انشائیہ نگاروں کے اولیں دستہء قلمکاراں میں ہوتا ہے۔ ان کی انشائیوں کی کتاب "جھلار" سرائیکی نثری ادب مزاح میں خصوصی وقار اور پذیرائی حاصل کر چکی ہے ان کے انشائیوں میں سبق آموزی، ثقافت اور مزاح بیک وقت اپنی رعنائیاں بکھیرتے دکھائی دیتے ہیں۔ ان کے انشائیوں میں ہمارا وسیب جیتا جاگتا، سانس لیتا، چلتا پھرتا دکھائی دیتا ہے۔ ڈاکٹر سلیم ملک نے اپنی قلم کاری کے تمام گلِ نایاب ریڈیو پاکستان کے گلشنِ آواز میں کھلائے۔ ان کے مذاق میں مزاح چھلکتا دکھائی دیتا ہے ان کی سرائیکی انشائیہ نگاری نے سرائیکی نثر کو وہ توانائی بخشی ہے جو خشت ہائے محل کو سیمنٹ اور سریے سے ملتی ہے۔ ان کی تحریر میں شگفتگی اور لطافت کا دریا موجزن دکھائی دیتا ہے۔ ان

کی تحریریں صرف دریائے لطافت میں مزاح کی لہریں ہی پیدا نہیں کرتیں بلکہ سبق آموزی کے مد و جزر بھی پیدا کرتی ہیں۔ بات سے بات نکالنے میں ان کی مہارت ان کی نکتہ سنجی اور علمیت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ ڈاکٹر سلیم ملک اپنے ایک انشائیہ "صلاحیں" میں کچھ ایسی خوبصورت اور من موہنی صلاح دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"مُلھ مہانگ دے ایں زمانے اچ ہکا شئے مفت پئی ملدی اے او ہے صلاح۔ تساں مکان بناوݨاں ہووے یا کھوہ کھٹاوݨاں ہووے، وپار اچ سر کھپاوݨاں ہووے یاست بسمہ اللہ آکھ تے وسدے ہمسائے تے دعویٰ ٹورݨاں ہووے۔ صلاحیں ڈیوݨ آلے ہر موقعے تے کھکھر آلی کار ویڑھ ویندن۔ سیالے دے کوسے وانگوں چنبڑ ویندن۔"(۷)

ڈاکٹر سلیم ملک کے جملے جامع اور جمالیات کا مجموعہ ہوتے ہیں۔ ان کے جملے میں پھولوں کی خوشبو، شہد کی مٹھاس اور انبساط کے ساتھ ساتھ ایک خوشگوار قسم کے احساس سے لبریز ہوتے ہیں۔ ان کے ایک انشائیہ "مہربان" کی شروعات ایسی ہی خوبیوں سے مالا مال دکھائی دیتی ہے۔ ان کے انشائیہ کا آغاز کچھ اس طرح سے ہوتا ہے:۔

"اُنویں تاں بندہ جیڑھا وی "بان" ہووے سر اکھیں تے۔ مہربان ہووے تے بھانویں ساربان۔ دربان ہووے تے بھانویں گلہ بان، پر جیڑھا میزبان ہوندے اوندا وت اللہ نگہبان ہوندے۔"(۸)

سرائیکی ادب میں عبد الباسط بھٹی کو وہی حیثیت حاصل ہے جو انگریزی میں ٹٹلر، بٹلر اور اُردو میں پطرس بخاری کو حاصل ہے۔ لفظ کاری میں باسط بھٹی سے بڑھ کر سرائیکی زبان میں شاید ہی کوئی اور عمدہ لکھنے والا ہو۔ اُن کے افسانے، خاکے، سفر نامہ، تراجم اور انشائیے اپنی مثال آپ ہیں۔ حضوصاً دیباچہ نگاری میں تو دور دور تک بھی کوئی ان کا ہم پلہ دِکھائی نہیں دیتا۔ بزلہ سنج، موقع شناس اور فی البدیہہ فنکار ہے۔ اُن کی کتاب "اولڑاں" سرائیکی انشائیہ نگاری میں نثر کے ماتھے کا جھومر ہے۔ سرائیکی زبان کے معروف نقاد حفیظ خان ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

"اُونے خاکے لکھیے، انشائیے لکھیے۔ سفر نامہ، افسانہ تے ایندے نال نال انشائیہ نما خاکے یا خاکہ نما انشائیاں داڈھگ لا کرائیں سرائیکی وچ ایں نویکلی صنف دا سب توں اُچیچا حاکم بݨ بیٹھا"(۹)

عبدالباسط ہر موضوع کا تفصیلی اور تاریخی جائزہ لینے کے ساتھ ساتھ معاشرتی حوالہ بھی ملحوظِ خاطر رکھتے ہیں۔ ان کے ایک انشائیہ '' جُتی '' کے جُملے دیکھیں:

''جُتی پیراں دی پوشاک اے۔۔۔ انویں تاں جُتی پیراں اچ پاتی ویندی اے پر کڈاہیں ہتھاں وچ وی آویندی اے، بعض لوک جُتی ''کَھلا'' اپنْیاں ذالیں تے ور تیندن تے کجھ بھراخو دکھلے دی مار اِچ رہندن۔''(۱۰)

عبدالباسط بھٹی نے سرائیکی نثر کو کمال بخشا ہے اس کے مطالعے میں معاصر ادب کے تمام نمونے موجود ہیں۔ اس کی سوچ عالمی معیاری ادب پر پورا اترتی ہے۔ اس لیے اس کے مداحوں میں پورا سرائیکی وسیب ہی نہیں بلکہ دوسری زبانوں کے لوگ بھی اس کی فنی پختگی اور شگفتگی کے قائل و دیوانے ہیں۔ سیّد انعام علی رضا المعروف ''ابن الامام شفتر'' احمد پوری اردو اور سرائیکی زبان کے ایک معتبر شاعر اور نثر نگار ہو گزرے ہیں۔ آپ ایک خوش مزاج اور بذلہ سنج انسان تھے۔ ان کا مزاح آورد نہیں آمد تھا۔ ان کا قلم نکتہ سنجی سے بہرہ ور تھا۔ ان کے ہاں مزاح ہوتا نہیں بلکہ پھوٹتا دکھائی دیتا ہے۔ ان کی طبع مزاح سے چشمہ نہیں پھوٹتا بلکہ ٹیوب ویل چلتے دکھائی دیتے ہیں۔ مختصر جملہ سازی جملہ بازی کی طرح محسوس ہوتی ہے۔ ابھی انبساط کا کیف رنگ جمانا ہی شروع کرتا ہے کہ قہقہ پھوٹ پڑتا ہے۔ ابن الامام شفتر کیفیت نگاری اور منظر نگاری سے مزاح کشید کرتے دکھائی دیتے ہیں اُن کا انشائیہ ''کُڑ کڑاک'' کا ایک شذرہ دیکھیں۔

''ہک دفعہ ایویں تھیا جو چھوٹا کُکڑ وڈے ناز تے نخریاں نال گردن اَکڑا تے کھمب پھُنڈا تے کُکڑیں دے اگوں نچدا ودا ہا۔ اچاچیت کہیں پاسوں لمبی لمبی خاراں والا بڈھا کُکڑ آنازل تھیا۔ ول کیا ہا نینگر شودے دی پھُوت پَل اچ ختم تھی گئی۔ چوٹی اتے گچی دے کھمب ایویں کھڑے تھی گے جیویں جو اناڑی سینکل سوار دے سر دے وال ٹریفک دے سپاہی کوں ڈیکھ تے کھڑے تھی ویندن۔ ول اوں غریب نکے کُکڑ دی شکل تے حالت ڈیکھݨ آلی ہوندی اے۔ اُباسیاں تے اُباسیاں ایویں ہبہ ڈیندے جیویں نواں تخلیق کار تنقیدی اجلاس وچ اپنْی نویں تخلیق پیش کرتے ہبہ ڈیندے۔''(۱۱)

ابن الامام شفتر کے موضوعات منفرد غیر مروج اور تروتازہ ہوتے ہیں۔ اس حوالے سے ان کا انشائیہ '' غُراڑے '' روشن دلیل ہے۔ ''غراڑے'' کا تعارف اور لفظوں کے چناؤ میں مہارت اور پیش کاری کے سلیقے میں آمدہ چس رس ان کے فن کا ہی خاصہ ہے۔ آپ تمہید میں لکھتے ہیں:

''غراڑے مارنْ وی ہک فن بلکہ عظیم فن ہے۔ جیرھا کہیں ریاضت تے محنت دے بغیر کہیں کہیں کو حاصل تھی ویندے۔ مزے دی گالھ ایہ ہے جو غراڑے مار مارتے بیاں کوں خوار کرنْ والا فنکار خود اپنْے فن توں لطف اندوز نئیں تھی سگدا تے نہ ہی کئی شخص اپنْی مرضی نال اے فن سکھ سگدے تے نہ ایہ چھوڑ سگدے۔ جیندے گل اے عادت پئے ونجے ساری عمر گل پئے دول وانگوں وجاونْا پئے ویندے۔''(۱۲)

ڈاکٹر خالد اقبال ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ نثر نگار ہیں۔ ان کی شاعری بھی یگانہ حیثیت کی حامل ہے۔ انشائیہ نگاری میں ان کی کتاب ''مسکار'' نے ان کے معیارِ تحریر کو خاصا اعتبار بخشا ہے۔ ان کے انشائیہ کے موضوعات عمومی ہیں لیکن جس زاویہ فکر سے ڈاکٹر خالد اقبال نے اِن کو جانچا ہے وہ اُن سب کو خصوصیت کا حامل بنا گیا ہے۔ '' آلو'' ان کا شہکار انشائیہ ہے۔ موضوع کے بارے میں ان کی تجزیاتی تحریر پڑھ کر ان کی باریک بینی کی معترف ہوئے بغیر نہیں رہا جا سکتا۔ انشائیہ ''آلو'' کی چند سطور قابل توجہ و تحسین ہیں۔

''گھر وچ شائیت کئی ایجھا ڈینہہ لنگھیا ہوسی جئیں ڈینہہ کُنی آلواں دے بغیر پکی ہووے۔ جے تہاڈی طبیعت اُتے ناگوار نہ گزرے تاں میں پورے ست ڈینہاں دے کھانْے دی فہرست بیان کر ڈیواں۔ آلو پالک، آلو قیمہ، آلو مٹر، آلو گھوبی، آلو میتھی، آلو وتاؤں، آلو گوشت یا گوشت وچ آلو وغیرہ وغیرہ۔ ہنْ کئی جنْاں ایہہ کینویں دعویٰ کر سگدے جو اُوندا ہاضمہ صحیح سلامت ہے۔ ایہہ وی تھی سگدے جو آلو داناں سنْدے ای تبخیر معدہ دی شکایت پیدا تھی گئی ہووے۔ لیکن جناب تساں ایں گالہہ اُتے غور کرواہ کل کتھائیں تساں آپ حسرت نال یا کثرت نال آلو تاں نی کھاندے پئے۔''(۱۳)

خالد اقبال زبان دانی کو اپنا ہتھیار بنا کر میدان انشائیہ میں صف آرا ہوتے ہیں تو روزمرہ، محاورہ، ضرب المثل اور دیگر صنائع سے اپنے فکری اور حسی کمالات کے جواہر بکھیرتے دکھائی دیتے ہیں۔ ''بخار'' ان کا ایک منفرد اور نابغہ انشائیہ ہے۔ جس میں وہ بخار کا تعارف کچھ اس طرح سے کرواتے ہیں:

''بخار کیتے کئی وقت ویلہا مقرر کوئے نی۔ بخار کہیں ویلھے، کہیں نہ کہیں طراں دا تھی سگدے جال جو غریب تاں ہوندا ای اکا بخار ہے۔ اینکوں کھنگ کنوں آرام آسی تاں سر

درد شروع تھی ویسی۔ سر درد توں جان چھٹسی تاں کنڈ وچ درد ،مُدا، درد جمع درد تے درد۔۔۔ لادوادے نال گزارا"(۱۴)

ڈاکٹر خالد اقبال چھوٹی چھوٹی اَشیاء کو بھی اپنا موضوع بنا کر اس پر بڑی بات کہنے کا فن جانتا ہے۔ ڈاکٹر خالد اقبال کی طرح ڈاکٹر گل عباس اعوانؔ سرائیکی انشائیہ نگاروں میں تعلیم یافتہ اور نباض ادب ہیں۔ شاعری، تخلیق، تحقیق اور تنقید میں اپنی معتبر پہچان رکھتے ہیں۔ مزاج اگرچہ دھیما ہے مگر بذلہ سنجی عادت میں رچی ہوئی ہے۔ لطیف گفتگو تو کوئی ان سے سنے اور سیکھے۔ان کے لہجہ کا شگفتہ پن ان کے انشائیوں میں بھی دَر آیا ہے۔ اُن کا مزاح بامعنی اور بامقصد ہوتا ہے۔ ان کی انشائیوں کی کتاب کا نام"سوجھلہ" دراصل اسم بامسمٰی ہے۔ اس میں مقصدیتی مزاح کو ہی قبلہ بنایا گیا ہے۔ ڈاکٹر گل عباس اعوانؔ کی انشائیہ نگاری پر علم دار حسین بخاری کی رائے ہے کہ:

"ڈاکٹر گل عباس اعوانؔ تھلوچڑے ہے ایندیاں تحریراں وچ تھل وسیب دی سماجی اخلاقیات دے نال نال گالھ مہاڑ کرنْ داوی ایہہ جھیاں انداز ملدے جیندے وچ ٹھہراؤ تے مٹھاس اے جیڑھی جال دے درخت تے پیلھوں وچ ہوندی اے۔پیلھوں دی رنگارنگی وی ہے ،انہاں دالب ولہجہ شہری اے، اوہک پڑھے لکھے بندے وانگوں گالھ کریندے کیوں جو او پڑھا لکھا بندہ اے۔"(۱۵)

ڈاکٹر گل عباس کی زیرک علمی لفظوں کے تال میل سے ہی انبساط کا عرق کشید کر لیتی ہے۔ انسان بحیثیت اشرف المخلوق، گفتگو کے حسن کا حامل ہے لیکن لمحہ گفتگو میں کیسی اور کتنی گفتگو ہو اس پر گل عباس کے وچار دیکھیں:

"ٻولو اتے انوں ویلے تئیں ٻولو جے تئیں فطرت تہاکوں ٻولنْ دی مہلت ڈیندی ہے، ٻولو ہر موقعہ دی مناسبت نال ٻولو، کہیں موقعہ تے ٻولنْ ٻہوں ضروری ہوندے۔ اتے حق گاہل کرنْ دے موقعے تے خموش رہونْ آلے لوک دراصل گونگے شیطان ہوندن۔"(۱۶)

گل عباس کی انشائیہ نگاری ایسا مزاح ہے جو اصلاح کے ضمن میں تبلیغ کے قریب ترین ہے۔ اعلیٰ درجہ کا مزاح خواہ وہ شاعری میں بیان ہو یا نثر میں، مذکور متعلقہ زبان کے اعلیٰ ترین معیار کے حامل ہونے کی دلیل کا مظہر ہے۔ مزاح پیدا کرنے کے لیے انسان کی فطرت اور مزاج میں خوش مزاجی کا ہونا از حد

ضروری ہے۔ یہ فن شاید مرد کے لیے آسان ہو مگر سرائیکی وسیب میں جہاں عورت کا جنم لینا ہی ایک بوجھ سمجھا جاتا ہے اور عورت پر کردہ نہ کردہ خرابیوں کا بوجھ ڈال کر اُسے ہمہ وقت پریشانی کی بھینٹ چڑھائے رکھا جاتا ہے۔ گھر بھر کی ذمہ داری بچوں کی نگہداشت، معاشرتی اور معاشی تنگی کا عذاب اس کے سر پر رکھ کر اس کے مذاق اور مزاج کو بے حس و حرکت کر دیا جاتا ہے۔ ایسے میں ان سے مزاح یا خوش مذاقی کی اُمید کیکر سے انگور کے پھل کی اُمید کے مترادف ہے۔ تاہم دنیا میں کچھ بھی ممکن ہے ایسے میں کسی سرائیکی عورت کا انشائیہ نگار ہونا خوش آئند ہے۔ رضوانہ تبسم دُرانی مریم گھوٹیہ کے بارے میں کچھ ایسے ہی خیال کا اظہار کرتی ہیں ان کے بقول:

> ''سرائیکی نثر اچ کہیں خاتوں دا انشائیہ نگاری کرݨ کنڈیاں اچ پھل کھلاوݨ دے مترادف ہے۔ انشائیہ نگاری پڑھݨ کوں جتنی سوکھی لکھݨ کوں اُتنی اَوکھی ہے۔ انشایئے دے معیار کوں سنبھلیندین ہوئیں ادبی سفر کرݨ پل صراط تے ٹرݨ اے۔ مریم گھوٹیہ دے انشایئے پڑھ کرائیں محسوس تھیندے جو ایں تریمت اے مرحلہ آسانی نال طے کر گھدے۔''(۱۷)

مریم خان کے انشائیوں کے موضوعات اُس کے ارد گرد کے ماحول کی پیداوار ہیں۔ وہ ایک ادبی گھرانے سے تعلق رکھتی ہیں جس کا اثر اُن کے انشائیوں سے صاف جھلکتا دکھائی دیتا ہے۔ مریم خان نے لفظوں کے ہیر پھیر کے ساتھ تاریخی حوالوں، ضرب الامثال، محاورہ اور روزمرہ سے بھی اپنے انشائیوں کو سنوارا ہے۔ ان کے انشائیہ '' ٻال''کا اقتباس دیکھیں۔

> ''ٻال تاں بادشاہ ہوندن۔ نہ فکر نہ فاقہ پر ضروری نی ہوندا جو کہیں کوں اگر فکر تے فاقہ نہ ہووے تاں او بادشاہ بݨ ویندے۔ ٻالاں دے ہئے کئی ایجھے گلہپ ہوندن جیڑھے اونکوں بادشاہ بݨا کھڑدن یا ول بادشاہ کوں ٻال سنوا ں بݨا کھڑ دن۔''(۱۸)

ڈیرہ اسماعیل خان کے غلام فرید ڈھکی ایک ریٹائرڈ ٹیچر ہیں۔ ادب ان کی گھٹی میں پڑا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ہمہ قسم اصناف میں طبع ازمائی کی ہے۔ سرائیکی انشائیہ نگاری میں علم البیان اور روایات کا دخول ان کی نثر کو ممتاز کرتا ہے۔ غلام فرید ڈھکی کے انشائیوں کا مواد وسیب سے ہی اکٹھا کیا گیا ہے۔ ان کے موضوعات قطعاً اجنبی نظر نہ آتے ہیں۔ مثلاً، سَوڑ، پٹی بنھ، رووݨاں، پھیتا، چمچا، منجا اور ڈنڈا وغیرہ، یہ عنوان بذات خود ایسے ہیں کہ جن کو پڑھتے ہی ایک خوشگوار حیرت کا احساس بیدار ہونے

لگتا ہے۔ غلام فرید کی شیریں بیانی، تحقیقی نظر اور تخلیقی مہارت ان کے انشائیوں کو ویسے کا تنجن بنا کر پیش کرتی ہے۔ جنہیں کھانے سے پیشتر دیکھنے سے بھی ایک انہونی سی فرحت گدگدی کرتی محسوس ہوتی ہے۔ ان کے ایک انشائیہ کا ایک منفرد رنگ قابل توجہ ہے۔

> ''منجا تے کھٹڑا ناں تاں ڈوں ہن پر شے ہکا ہے۔۔۔ماچا، کھٹڑا، کھٹڑی، پلنگ پیڑھی تے صوفہ جیڑھی وی چار جنگھی جیندے اُتے آدی ہہہ، سم سگے منجے دے ولگن اچ گنڑیندی ہے۔ جیویں انسان، باندر، لنگور تے میکاؤ داڈاڈا سانجھا common anceestor ہے۔ ایویں انہاں ساریاں شئیں داڈاڈا وی ہکو ہے۔''(۱۹)

غلام فرید ڈھکی کے انشائیوں پر تبلیغ کا عنصر نمایاں ہے۔ ان کے انشائیے پند ونصائح کے بوجھ تلے دبے دکھائی دیتے ہیں۔ زبان جب پھکڑ پن کی مردودیت سے نکل کہ لسان کے زبان و بیان کی معراج پر متمکن ہونے کا شرف حاصل کرتی ہے تو پھر لفظی ہیر پھیر اور ایہام سے ظرافت کا ایک لطیف احساس گدگدی کرتا کراتا محسوس ہوتا ہے۔ جب عوام کا شعور وقت کے علوم تنقیدیہ سے بہرہ ور ہوتا ہوا ذاتی چشمک سے مبرا ہو کر صرف دل پشوری کو سمجھنے اور سمجھانے کے لائق ہو جاتا ہے تو پھر با قاعدہ طور پر اس کا صنفی عروج معرض وجود میں آنا شروع ہو جاتا ہے۔ ان معیارات کی کسوٹی پر اگر سرائیکی نثر کو پرکھا جائے تو کماحقہ لائق تحسین ہے۔ ادب میں کسی صنف کا وجود پا کر رواج پانا کوئی انہونی یا عجوبہ نہیں۔ سرائیکی نثر میں انشائیہ کا ظہور بہت دیر بعد ہوا مگر اس کی پزیرائی اور لکھنے چھپنے کی رفتار اس کی ہر دلعزیزی کا مظہر ہے خصوصاً اس صنف گری میں خواتین کا آنا انتہائی اچھا شگون ہے۔ جو سرائیکی انشائیہ کے روشن مستقبل کی نشاندہی کرتا ہے۔ سرائیکی انشائیہ ابھی تک ایسے اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں کا شغل رہا ہے جن کی معاصر ادب پر بھی نگاہ ہے اور اپنی زبان کی زرخیزی سے بھی بخوبی واقف ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس صنف ادب میں کم لکھا گیا ہے مگر جو لکھا گیا ہے وہ کام کا لکھا گیا ہے۔ انشائیہ کی تاریخ مرتب ہونے جا رہی ہے تو ہمہ قسم کی تحریریں ہمہ قسم کے خیالات کی ترجمان ہیں جب تک انشائیہ کی یہ راہ شاہراہ کا روپ نہیں دھار لیتی فکر و مہارت اپنی اپنی بوالعجیبیاں دکھاتے رہیں گے۔

حوالہ جات

۱۔ اقرار حسین، شیخ، مزہ نگاریاں، لاہور، دارالکتاب، ۲۰۰۰ء، ص:۹

۲۔ قومی انگریزی اُردو لغت، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان پاکستان (طبع پنجم)، ۲۰۰۲ء

۳۔ خان، عبد الرحمن، اردو طنز و ظرافت، لاہور، بیت الحکمت، ۲۰۰۸ء، ص:۳۳

۴۔ خان، عبد الرحمن، اردو طنز و ظرافت، لاہور، بیت الحکمت ر، ۲۰۰۸ء، ص:۳۴

۵۔ سلیم ملک، ڈاکٹر، جھلار، بہاولپور، سرائیکی ادبی مجلس، ۱۹۹۳ء، فلیپ پیج

۶۔ مبتلا، محمد اسلم، سرائیکی انشائیے (دوسرا ایڈیشن)، نعمت والا (ملتان)، مبتلا پبلی کیشنز، ۱۹۹۱ء، ص ۱۶

۷۔ سلیم ملک، ڈاکٹر، جھلار، بہاولپور، سرائیکی ادبی مجلس، ۱۹۹۳ء، ص:۹

۸۔ سلیم ملک، ڈاکٹر، جھلار، بہاولپور، سرائیکی ادبی مجلس، ۱۹۹۳ء، ص:۸۸

۹۔ حفیظ خان، باسط بھٹی دے انشائیے (مقدمہ)، اولڑاں از عبد الباسط بھٹی، ملتان، ملتان انسٹیٹیوٹ آف پالیسی اینڈ ریسرچ، ۲۰۱۱ء، ص:۱۰

۱۰۔ بھٹی، عبد الباسط، اُولڑاں، ملتان، ملتان انسٹیٹیوٹ آف پالیسی اینڈ ریسرچ، ۲۰۱۱ء، ص:۸۹

۱۱۔ شفقت، ابن الامام، ڈِسکیاں تے ٹہکارے، ملتان، جھوک پبلشرز، ۲۰۱۰ء، ص:۳۰

۱۲۔ شفقت، ابن الامام، ڈِسکیاں تے ٹہکارے، ملتان، جھوک پبلشرز، ۲۰۰۹ء، ص:۱۵۱

۱۳۔ خالد اقبال، مسکار، سرگودھا، خالد پرنٹنگ پریس، ۲۰۱۲ء، ص ۳

۱۴۔ خالد اقبال، مسکار، سرگودھا، خالد پرنٹنگ پریس، ۲۰۱۲ء، ص ۱۱

۱۵۔ اعوان، ڈاکٹر گل عباس، سوجھلا، ملتان، جھوک پبلشرز، ۲۰۰۹ء، ص:۱۶

۱۶۔ ایضاً، ص:۹

۱۷۔ درانی، رضوانہ تبسم، (مقدمہ) اَکھ از مریم خان گھوٹیہ، ملتان، جھوک پبلشرز، ۲۰۱۶ء، فلیپ پیج

۱۸۔ گھوٹیہ، مریم خان، اَکھ، ملتان، جھوک پبلشرز، ۲۰۱۶ء، ص:۳۰

۱۹۔ ڈھکی، غلام فرید، مرکنیاں، ڈیرہ اسماعیل خان، سپت سندھو پبلی کیشنز، ۲۰۱۷ء، ص ص:۱۲۲، ۱۲۳